فرحین ظفر

دل پہ اترا بہار کا موسم

خوب بڑا صحن، جس کے آدھے سے زیادہ رقبے کو نیم کے گھنے درخت کی چھاؤں نے اپنی آغوش میں لے رکھا تھا۔ اس وقت دو منزلہ عمارت میں رہائش پذیر تمام جملہ خواتین کا اجتماعی مرکز بنا ہوا تھا۔

سب کی اپنی اپنی آواز تھی۔ اپنا اپنا انداز اور اپنی اپنی بولی۔

لیکن موضوع ایک ہی تھا۔ جو ان سب کے بیچ بڑے زور و شور سے ڈسکس ہو رہا تھا اور وہ موضوع تھا رابیل کی شادی۔

ناولٹ

وہ بھی بظاہر انجان بنی، کوڑیاں مٹھی میں بھر بھر سرخ رنگ کے کپڑے اور گوٹے سے بنائی گئی بساط پر پھینک رہی تھی، اور دھیان چونکہ مسلسل امی اور تائی امی کی باتوں پر لگا تھا۔ اس لیے اتنے ہی تسلسل سے ہار بھی رہی تھی۔

"بھئی میں نہیں کھیل رہی۔ تمہارا دھیان تو ہے نہیں ادھر۔" زرتاج نے ایک دم ہی ساری کوڑیاں بکھیر دیں۔

"اور نہیں تو کیا۔ چلو!" تانیہ کو جانے کیا خیال آیا کہ وہ ایکسائٹمنٹ کے مارے، اپنی جھولی میں سے مونگ پھلی کے سارے چھلکے، وہیں جھاڑ واڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"گانوں کی پریکٹس کرتے ہیں۔" اس کی آواز میں بچکانہ سا شوق تھا۔ حالانکہ وہ عمر میں رابیل سے دو سال بڑی تھی۔

رابیل نے کڈ کڑے لگاتی، زرتاج کے ساتھ اند... جاتی، سونیا کو ہنس کے دیکھا۔ بھلا صرف دو لڑکیاں مل... کون سے گانوں کی "پریکٹس" کرنے والی تھیں ا... جس کی شادی ہو رہی ہے اسے تو کوئی پوچھتا ہی نہیں... سب کو اپنی اپنی پڑی ہے۔

سوچتے ہوئے اس کے کان ایک بار پھر امی اور تا... امی کی باتوں کی طرف لگ گئے۔ جہاں بار بار اس ک... شادی اور شادی کی تیاریوں کے حوالے سے اس... گر کا نام بار بار آ رہا تھا۔

رافع سکندر، اس خاندان کا سب سے بڑا فرز... ارجمند اور رابیل افتخار اس فیملی کی سب سے چھوٹی ا... لاڈلی بیٹی۔ اس لحاظ سے یہ شادی پورے گھر میں س... سے زیادہ ارمانوں بھری شادی تھی۔

عمروں میں واضح بلکہ کسی حد تک قابل اعتراض فرق، بری طرح مزاجوں پر اثر انداز ہوا تھا۔ یہی و... تھی کہ وہ ہر عام لڑکی کی طرح جہاں شادی کی خوا... رکھنے اور اس کے پورا ہونے پر خوش تھی۔ وہیں کبھی رافع کا مزاج دیکھ کر فکر مند بھی ہو جاتی تھی۔

عمر کم ہونے کی وجہ سے، طبیعت میں بے فکری ا... لاابالی پن کا عنصر جو عروج پر پہنچا ہوا تھا۔ آج کل وہ اس... سے جان چھڑانے کی فکر میں ہلکان ہو رہی تھی۔

ہر کام وقت پر کرنے کی فضول عادت اپنانے کی ک... کوششیں جاری تھیں۔ سر جھاڑ منہ پہاڑ والی کیفیت میں بھی بفضل خدا، قابل ذکر تبدیلی آ گئی تھی۔

...وہ شکایات تھیں۔ جو رافع ایک کزن ہونے کے ناطے اسے جتاتا رہتا تھا۔ لیکن اب زندگی میں پہلی بار ...ان شکایات کا نہ صرف نوٹس لیتا تھا۔ بلکہ انہیں دور کرنے کی حتی المقدور کوشش بھی کرنی تھی۔ وہ اپنے شیڈول پر خوشی اور سختی سے عمل پیرا تھی۔

اس کے دوسرے کزنز اور بہن بھائی اس کا مذاق بھی اڑاتے اور اسے سراہتے بھی تھے۔ لیکن وہ ہر دو صورتوں میں کان لپیٹے رکھتی۔ کیونکہ کان کھولنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اوپر سے امی تھیں۔ جو نصیحتوں کا نہ جانے کون سا انبار، زبان کی نوک پر اٹھائے پھرتیں۔ ان کے ہر لیکچر کا آغاز اور اختتام اسی جملے سے ہوتا۔

"اب تم چھوٹی نہیں رہی ہو۔ بڑی ہو گئی ہو۔"

وہ بھی ایسا ہی جاتی سردیوں اور آتی گرمیوں کا شادی سے قریب ترین دنوں میں سے ایک دن تھا جب اس نے امی کے لیکچرار بننے کی خواہش کو رد کرتے ہوئے، ہاتھ اٹھا کر زور سے کہا۔

"امی مجھے اچھی طرح پتا ہے میں اب بڑی ہو گئی ہوں۔ کوئی بچی نہیں رہی۔" وہ اور امی اس وقت کچن میں کھڑی تھیں۔ جب اس نے نہایت چڑ کر اپنی بات مکمل کی۔ اور مڑ کر سلاد کے لیے کچر کچر پیاز کترنے

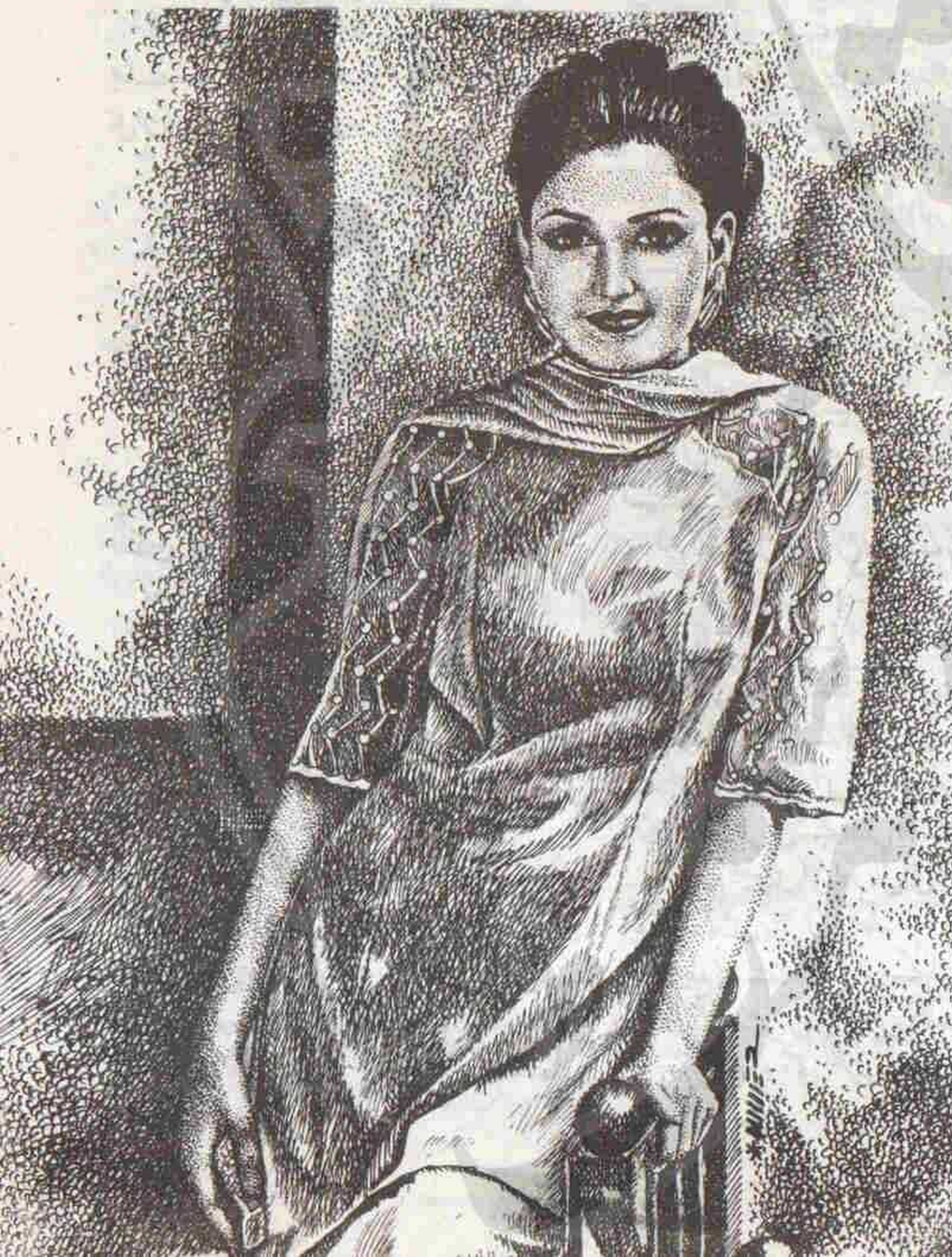

لگی۔

امی کب کچن سے گئیں اور دوسرا کوئی جو دبے قدموں کچن میں آیا تھا وہ کون تھا۔ اسے کوئی سروکار نہ تھا۔

”اب اتنی بھی بچی نہیں ہوں میں کہ ایک ذرا سی پیاز بھی..... ی۔“ اچانک چھری شیلف پر گرنے کے انداز میں رکھ دی گئی۔

اب دوسرے ہاتھ سے اپنی انگلی پکڑے وہ مڑی تو دھک سے رہ گئی۔

”ارے یہ تو رافع ہیں۔ یہ یہاں کب آئے۔“

نل کے نیچے کی گئی انگلی میں سے نکلتی خون کی دھار بہاتے۔ وہ مسلسل اسی بات پر غور کر رہی تھی۔ جب ہی ان کی آواز پر اچھل پڑی۔

”یہ لگالو۔“

”جی۔“ ہونقوں کی طرح دیکھا۔

”یہ لگالو ٹیوب بلکہ لاؤ میں ہی لگادوں۔“ رافع اس کی کیفیت سے بھرپور حظ اٹھاتے ہوئے بولے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر سختی سے انگلی پر اپنا انگوٹھا جما دیا۔

”پانی بہاؤ تو خون نکلتا چلا جائے گا۔ ایسے رکے گا۔“

وہ تو سر جھکائے اقوال زریں سنتی رہی۔ شریف بچوں کی طرح۔ ایک ذرا آنکھ اٹھا کر ان کی شرارتی مسکان دیکھ لیتی۔ تو فوراً ہاتھ چھڑا کر بھاگ لیتی۔

وہ تو ٹیوب لگا کر مسکراتے ہوئے کچن سے نکل گئے وہ ”صمٌ بکمٌ“ کی عملی تفسیر بنی رہی۔

مایوں سے دو دن پہلے نگہت باجی اور چھوٹی پھوپھو کی ایک ساتھ تشریف آوری سے گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کبھی نچلے پورشن میں محفلیں جمی ہیں، تو کبھی اوپری منزل پر۔

امی نے حتی المقدور کوشش کی تھی کہ اب رابیل، رافع سے پردہ کرنا شروع کردے۔ لیکن یہ طوفان لڑکے چھوٹی پھوپھو کے تینوں سپوت، خود اس کے دونوں بھائی اور نافع جو اس کا ہونے والا دیور تھا۔ وقتاً فوقتاً امی کی طرف سے تانا گیا یہ پردہ چاک کرنے میں لگے رہتے۔

ایک ایسے ہی دن وہ امی کی لگائی گئی پابندیوں کے زیر اثر اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ جب دروازہ کھول کر رافع اندر آگئے۔ اس نے آہٹ پر پلٹ کر دیکھا اور اچھل کر رہ گئی۔

”آپ..... کیسے آگئے؟“ اس کے منہ سے بے ربط سے الفاظ نکلے۔

”چل کے پیدل۔“ انہوں نے ہنس کے جواب دیا۔ وہ کھڑی انگلیاں مروڑتی رہی۔ صرف چار دن کی تو دوری تھی۔ شرم سے اس کی حالت غیر ہونے لگی۔

”چلو اوپر میں تمہیں لینے آیا ہوں بلکہ زبردستی دھکیلا گیا ہوں۔ بڑے ووٹ بنا رکھے ہیں تم نے۔“ ان کے گداز ہونٹوں پر بڑی مدھر مسکان تھی۔

”وہ امی!“ وہ متذبذب ہوئی۔

”ارے میں سب سے پوچھ کر آیا ہوں۔“ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما اور اپنے ساتھ لیتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ دو ایک بار اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ رافع بہت اچھی طرح اس کے نرم و ملائم ہاتھ کا لمس محسوس کر رہے تھے اور چلتے ہوئے بتا رہے تھے۔

”اس سازش میں گھر کے بڑے بھی شامل ہیں۔ اسپیشلی پھوپھو۔“

اوپر لاؤنج میں سب جمع ہوں گے پھر..... سوچ کر ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

لاؤنج میں سب نے اس کا بہت شاندار استقبال کیا۔ وہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑی ہوئی تھی۔ لڑکوں نے سیٹیاں بجا بجا کے اور لڑکیوں نے اوئے ہوئے کے نعرے لگا لگا کے اس کی مت ماردی تھی اور اس وقت تو وہ بالکل ہی بے ہوش ہونے لگی۔ جب اس نے اس جم غفیر میں امی اور تائی امی کو پھوپھو کے ساتھ ایک کونے میں براجمان دیکھا۔

وہ جلدی سے بھاگ کر ان کے پاس چلی گئی۔ اور وقفے وقفے سے اس کی نظریں بھٹک بھٹک کر رافع پر پڑتی رہیں اور جو کبھی نظریں چار ہو جاتیں، تو وہ نرمی سے مسکرا دیتے۔

رافع کو یوں اتنے نرم موڈ میں، بات بے بات مسکراتے اس نے زندگی میں پہلی بار ہی دیکھا تھا شاید۔

☼ ☼ ☼

خوشیوں بھرے دن اور ہنستا مسکراتا وقت کتنی جلد گزر جاتا ہے کہ پتا ہی نہیں چلتا۔ بس یوں لگتا ہے جیسے پلک جھپکی اور بس۔

خاندان کے سب ہی لوگ اپنی تمام تر مصروفیات سے جان چھڑا کر یونیورسٹی، کالجز اور دفاتر سے چھٹیاں لے کر بہت عرصے بعد یوں گھر میں اکٹھے ہوئے تھے۔

ایک طرف تو وہ خوش بہت تھی کہ دن ہی خوشیوں بھرے تھے اور دوسری طرف اس کی آنکھیں رہ رہ کر بھر آتی تھیں۔ کبھی اسٹور روم میں جا کر آنکھیں رگڑتی تو کبھی کچن میں اور تو اور اس نے باتھ روم تک کو نہ بخشا تھا۔

مایوں کا پیلا جوڑا بھی اس پر یوں کھل رہا تھا۔ جیسے زرد رنگ بنا ہی اس کے لیے ہے۔ زرتاج اور سونیا کی تو چھب ہی نرالی تھی۔ سفید کرتا شلوار اور میرون شالوں کے پٹکے شانوں پر ڈالے سب لڑکے بھی اتراتے پھر رہے تھے۔

”رابی! احد اور زرتاج کتنے اچھے لگ رہے ہیں نا۔ ساتھ کھڑے ہوئے۔“ پھوپھو اس کے کان میں سرگوشی کر کے اٹھ گئیں۔

وہ نا سمجھی کے انداز میں انہیں تکتی رہ گئی۔ عقدہ تو تقریب کے اختتام پر کھلا۔ جب اچانک ہی پھوپھو اور تائی امی نے احد اور زرتاج کی منگنی کی، اعلانیہ رسم ادا کی۔

”ایں! مجھے تو کسی نے کچھ بتایا ہی نہیں۔“ اس نے برابر میں بیٹھے موحد سے شکوہ کیا۔

”تم دلہن ہو نا۔“ موحد کا انداز سراسر اطلاع دینے والا تھا۔

”یہ کیا بات ہوئی۔“ وہ جھلا کر سونیا کی طرف پلٹی۔

”اوہو بھئی اب ہم ہر بات آکر تمہیں بتاتے کیا۔ ابھی دو گھنٹے پہلے چکر چلا۔“

”کس کا چکر۔“ اس نے بات بیچ میں اچک لی۔

”اللہ رے!“ سونیا نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ ”زیادہ پٹر پٹر مت کرو۔ سر جھکا کر بیٹھو۔“ اس نے فوری طور پر ہدایات پر عمل کیا۔ لیکن چین کہاں تھا۔

”اب بتا بھی چکو کیا زرتاج اور احد نے چلایا اس قدر تیز چکر۔“

”پھوپھو اور تائی امی کا چکر، کھٹ سے رشتہ دیا۔ پٹ سے منظور ہوا اور فٹافٹ منگنی تے جھٹا جھٹ بیاہ۔“ وہ کچھ مزید بولتی لیکن رافع کی آواز نے اس کی بولتی بند کردی۔

”زری جا کر میرا کمرہ صاف کرو۔ مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔“ وہ چپکی بیٹھی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

شادی کے دن وہ نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔ آج زرتاج اور احد دونوں ہی کچھ زیادہ چمک رہے تھے۔ رافع بھی کسی سے کم نہیں لگ رہے تھے۔ دونوں کی جوڑی نے چاند سورج کو شرما دیا اور خوب ہی تعریفیں سمیٹیں۔ رخصتی کے وقت وہ ابو اور امی سے مل کر بری طرح رو دی۔

”ارے صرف سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ہی تو جانا ہے۔“ ابو کھلے لہجے اور نم آنکھوں سے اسے تسلیاں دے رہے تھے کہ بیٹی کے پرائے ہونے کا احساس تو انہیں بھی تھا۔

”چاچو! شاید رابیل کی سینڈل پیروں میں کاٹ رہی ہے۔“ یہ اس کا دیور نافع تھا۔

”اور رافع بھائی اتنے بھی بے چارے نہیں کہ اپنی دلہن کو گود میں اٹھانے کی سنگین غلطی کریں۔“ محفل کو زعفران زار بنانے کے لیے مسخرے آس پاس ہی موجود تھے۔

گھر آکر لڑکیوں نے ہر ہر دروازے پر نیگ وصول کیا۔ اور ان کے بیڈ روم تک پہنچتے پہنچتے لڑکے بھی لڑکیوں کے ساتھ ”دولہا لوٹو مہم“ میں شامل ہو چکے تھے۔ رافع کی مسکراہٹیں، باقاعدہ دہائیوں میں بدل

گئیں۔

"ارے کوئی میرا بچاؤ بھی کرے گا کہ نہیں بے وفا' دھوکے بازوڈں' تم لوگوں سے تو میں اچھی طرح نبٹ لوں گا۔" آج تو رافع کی آواز میں بھی نرالی کھنک تھی۔ سرشاری اور کوئی من پسند چیز پالینے کی کھنک۔ آخر میں تو حد ہو گئی۔ رافع نے صاف ان لوگوں کو جتا دیا۔ کہ تم لوگ فٹافٹ یہاں سے پھوٹ لو۔ میں اب کمرے میں جا کے باہر نہیں آؤں گا۔

"اور کھیر چٹائی۔"

"او بھائی ہوتی رہے گی صبح میں نہیں جانتا۔ ہٹ جاؤ۔"

سونیا اور زرتاج نے جلدی جلدی اس کا شرارہ سیٹ کیا۔ رافع اس دوران بھی جلدی جلدی کا شور مچاتے رہے۔

اللہ اللہ کر کے سب کو کمرے سے نکالا اور دروازہ بند کر کے پہلی فرصت میں اپنی شیروانی اتار کر صوفے پر اچھال دی۔

☼ ☼ ☼

صبح وہ سب کو رونمائی میں دیا جانے والا چین اور لاکٹ جو دل کی شکل کا تھا اور جس پر بہت خوب صورت انداز میں ڈبل آر لکھا ہوا تھا۔ دکھاتی پھر رہی تھی۔ چہرہ کھلتا گلاب ہو رہا تھا۔ بات بات پر دانت نکل رہے تھے۔ جھینپ' شرم الگ اور آواز ایک ہی دن میں دھیمی پڑ گئی تھی۔

دوپہر میں امی' ابو' سونیا اور ارحم' ارقم کے ساتھ' پھوپھو کے تینوں چہیتے زرتاج اور نافع بھی اس کے میکے والے بن بیٹھے۔ باقاعدہ ناشتا لے کر آئے اور اسے لے کر گئے۔ خوب ہنسی مذاق ہوتا رہا۔ پھر نیچے آنے کے بعد امی نے اسے آرام کرنے بھیج دیا۔

وہ خود سونا چاہتی تھی۔ لیکن آنکھوں میں نیند کہاں۔ وہاں تو بس ایک ہی سراپا تھا۔ رافع کا خوبرو سراپا۔ کل رات اس نے رافع کا جو روپ دیکھا وہ' شاید اس کی زندگی کا سب سے خوب صورت اور انوکھا روپ تھا۔

"اور اگر میں ان کی دلہن نہ بنتی تو ان کی شخصیت کے اتنے خوب صورت رنگ سے کبھی متعارف نہ ہو پاتی۔"

گھر میں رافع بچپن ہی سے سب سے بڑے ہونے کے ناتے' سب سے زیادہ رعب دار سمجھے جاتے تھے اور رابیل کو تو چند سال پہلے تک سب ہی افراد خانہ یہ کہہ کر ڈرایا کرتے تھے کہ اب کوئی حرکت ہوئی' تو رافع سے شکایت ہوگی وہ تمہیں ڈانٹے گا یا تمہاری پٹائی کرے گا۔ رابیل کے لیے وہ ایسے ہی تھے۔ جیسے ابو یا تایا ابو اور کسی بھائی وائی کے رعب میں تو وہ آتی نہ تھی

اس نے خود بھی جب سے ہوش سنبھالا تھا۔ رافع کو ایک منظم' قدرے سنجیدہ اور الگ تھلگ سی زندگی گزارتے ہوئے دیکھا تھا۔

ہر موسم' عمر اور کلاس اسٹینڈرڈ کے حساب سے ان کے پاس بنا بنایا سارے دن کا شیڈول ہوتا تھا۔ اور وہ اسی روٹین کے حساب سے چلتے تھے۔ وقت پر جاگنا' وقت پر کھانا' سحر خیزی' صبح کی سیر' چہل قدمی اور بعد میں جاگنگ ایکسر سائز۔

اور خود رابیل کا یہ حال تھا' کہ اگر غلطی سے وہ مقررہ وقت سے کچھ پہلے اٹھ بھی گئی۔ تو اپنے کمرے کی کھڑکی سے اس نے رافع کی ہمت اور کسرتی جسم کو چپکے چپکے سراہا اور کروٹ بدل کر پھر سے نیند میں گم ہو جاتی۔ نہ جاگنے کا کوئی حساب کتاب تھا نہ کھانے کا کوئی وقت' اسے تو منہ دھونے' نہانے اور کپڑے بدلنے تک کے لیے' دوسرے ہی کہتے تھے اور ان دوسروں میں کبھی کبھی رافع بھی شامل ہو جاتے تھے۔

اس کے اپنے بڑے بھائی ارقم اور ارحم اس کا مذاق اڑایا کرتے اور سونیا تو تھی ہی صرف دو سال بڑی۔ اس کا کہنا اور نہ کہنا برابر ہی تھا۔

رافع کے لیے جب تائی امی کی طرف سے پیغام آیا' تو سب سے پہلے اس نے یہ ہی سوچا کہ بھلا تائی امی نے رافع کے لیے اس جیسی لڑکی کو کیوں پسند کیا۔ ہم دونوں کا تو کوئی جوڑ ہی نہیں اور یہ الجھن کل رافع نے

ہی دور کی تھی۔ رابیل کو انہوں نے خود ہی جیون ساتھی کے روپ میں پسند کیا تھا۔ وہ خوش گوار حیرت میں گھر گئی تھی۔ ویسے بھی اس نے کل سے آج تک رافع کو سراپا محبت ہی دیکھا تھا۔ نرم' مہربان' مجسم الفت' چاہت ہی چاہت۔

اس نے مسکراتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

"رافع ....! مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں چند گھنٹوں میں ہی سرتاپا آپ کی محبت میں ڈوب چکی ہوں اور چاہت و محبت کا یہ احساس میری رگ و پے میں لہو بن کر دوڑ رہا ہے۔"

☼ ☼ ☼

دلہناپے کے دن تمام ہوئے۔ اور اس نے تائی امی کے منع کرنے کے باوجود کچن کی بیشتر ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں۔ حالانکہ تائی امی چاہتی تھیں کہ ابھی وہ مزید کچھ دن اور ٹھہر جائے۔ وہ اس کی کھیر پکائی کی رسم کرنا چاہتی تھیں لیکن رافع نے منع کر دیا۔

"رہنے دیں امی۔ ابھی تو شادی کے ہنگامے سرد ہوئے ہیں۔ اب کس کے پاس اتنا ٹائم ہے کہ...." وہ بات ادھوری چھوڑ کر کھانا کھانے لگے۔ جب کہ رابیل تعجب سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔" اچانک انہوں نے اسے مخاطب کر لیا۔

"جی!.... جی امی یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں اور پھر خرچہ بھی تو ہو جاتا اتنا۔" اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی رافع کی بات کا بھرم رکھ لیا۔ کھیر کے بجائے گاجر کا حلوہ بھی رافع کی پسند کے مطابق بنا۔

وہ حلوہ لے کر' تائی امی اور زرتاج کے جلو میں' نیچے اتری تو امی اور ابو نے ڈھیروں دعاؤں سمیت اس کا استقبال کیا۔ سونیا نے بھی خوب مزے لے لے کر اور برائیاں کر کر کے حلوہ کھایا۔ تایا ابو سے بھی شاباشی ملی۔

"کیا تھا اگر سب لوگ جمع ہو جاتے' ایک بار پھر گیدرنگ ہو جاتی۔" رات سونے سے پہلے وہ رافع سے شکوہ کرنا نہ بھولی۔ رافع نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اگر اتنا دل چاہ رہا تھا تو کہہ دیتیں۔ میں نے تو تمہاری ہی تھکن اور ناتجربہ کاری کی بنا پر منع کر دیا۔ تم کہاں اتنے ٹبر کے لیے پکاتی پھرو گی اور خراب و راب ہو جاتی تو اور مسئلہ۔"

"ارے تو میں کوئی پکاتی تھوڑا ہی وہ تو بس پکی پکائی کھیر میں...."

رافع کا دھیان اپنی طرف نہ دیکھ کر' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"رات گئی بات گئی۔ اب کھیر کو چھوڑو اپنی بات کرو۔ حلوہ بھی کچھ کم مزے دار نہ تھا اور اگر تم اپنے ہاتھ سے کھلا دیتیں تو...." رافع نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اسے اپنے قریب کر لیا۔ وہ سمٹ گئی۔

دن رفتہ رفتہ معمول پر آتے گئے۔ وہ دن میں کم از کم دو چکر نیچے کے لگاتی۔ لیکن رافع کے آفس سے لوٹنے کے بعد تو جیسے گھر میں بندھ جاتی۔ یہ بھی رافع کا آرڈر تھا کہ وہ اس کے آنے کے بعد کہیں نہیں جائے گی۔ اپنی امی کے یہاں بھی نہیں جو رشتے میں اس کی چچی بھی تھیں۔ کبھی کبھی سونیا شکوہ کرتی۔

"رافع بھائی تو تمہیں ہر دم اپنے آگے پیچھے ہی گھماتے رہتے ہیں۔"

وہ ہاتھ دبا کر اسے خاموش کرا دیتی۔ غروب آفتاب کے بعد تو اس کی امی کے یہاں موجودگی خیال و خواب سمجھی جانے لگی۔ یہاں تک کہ زرتاج چچی کے یہاں ہو آتی۔ لیکن وہ رافع سے کہہ نہ پاتی۔ نافع بھی یہ سب نوٹ کرتا رہتا اور کبھی کبھار بڑے بھائی کو ٹوک بھی دیتا۔

"کیوں بھابھی کو آوازیں دیتے رہتے ہیں۔ یہ زرتاج بیٹھی ہے۔ اس سے کروائیں۔"

مگر وہ کسی کی باتوں کا نوٹس لینے والوں میں سے نہیں تھے۔

زرتاج کے شادی کے لیے پھوپھو زور دے رہی تھیں۔ ان کا اکثر چکر لگ جاتا تھا۔ وہ جوڑوں کے درد کا شکار تھیں اس لیے اوپر تو شاذونادر ہی آتیں زیادہ تر تائی امی ہی نیچے چلی جاتیں۔

اب صورت حال یہ تھی کہ اگر رافع بھی نیچے جا رہے ہیں تو ٹھیک ہے۔ ورنہ وہ اکیلی رافع کے ساتھ بیٹھی رات کے دس بجے نیوز دیکھ رہی ہے۔ اور تمام گھر والے نیچے ہیں۔ یا پھر وہ تمام دن نیچے امی کے یہاں رہی اور جیسے رافع کا آفس سے واپسی کا وقت ہوا وہ اوپر کی طرف بھاگی۔

"تو ٹھیک ہے نا۔ میاں کی مرضی اور خوشی کا خیال رکھتی ہے۔" امی بے فکری سے کہتیں۔

"ارے تو ایسی بھی کیا مرضی خوشی۔ بچی دو گھڑی سکون سے بیٹھ بھی نہ پائی کہ بلاوا آگیا۔ تم بیٹھو تو سہی میں دیکھتی ہوں کیا کہتے ہیں رافع میاں۔" اس دن پھوپھو نے اسے اپنے گھٹنے تلے داب لیا (بھاری تن و توش والی تھیں نا) اس نے کئی بار اٹھنے کی کوشش کی اور ہر بار ناکامی نے اس کے قدم چومے۔ وہ ہر بار بے ساختہ پچھتائی لیکن دل ہی دل میں۔

رافع بھی آفس سے آگئے۔ برآمدے میں سب کو جمع دیکھ کر سلام دعا کی کچھ دیر بیٹھے پھر اٹھنے لگے تو اشارتاً" رابیل کو دیکھا۔ اور یہ اشارے کنائے پھوپھو کی زیرک نگاہ کی زد میں آگئے۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو میرے پاس بیٹھی ہے۔ کھانا یہیں کھالو بعد میں جا کے کپڑے بدل لینا۔ میں زری سے کہہ دوں گی وہ نکال دے گی۔"

پھوپھو نے ایک ہی جملے میں گویا تمام مسائل کا حل پیش کردیا۔ لیکن اصل میں یہ مسائل کا حل نہیں بلکہ شروعات تھی رات کو کمرے میں جا کر اسے زبردست جھاڑ پڑی۔

"خود اٹھ کر نہیں آسکتی تھیں۔ دیکھ بھی رہی تھیں میں آچکا ہوں پھر بھی جم کر بیٹھ گئیں۔" وہ سخت برہم تھے۔

"دراصل پھوپھو اتنے دنوں بعد....."

"کوئی نہیں اتنے دنوں بعد' ہر ہفتے بیٹھی ہوتی ہیں۔" رافع کے لہجے میں کیا تھا کہ وہ حیرت سے تکتی رہ گئی۔

"اور آج تو لگتا ہے کمرے کی صفائی تک نہیں ہوئی۔ ہر شے پر گرد مٹی دھول کی بہتات۔" وہ غصے میں چیزیں پٹخ رہے تھے۔

"جی آج دراصل میری....."

وہ انہیں اپنی طبیعت کے بارے میں بتانا چاہتی تھی کہ جو صبح سے ہی بھاری بھاری لگ رہی تھی۔ لیکن وہ کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھے اور وہ جو شادی سے پہلے کسی کی سخت ست برداشت نہیں کرتی تھی۔ جانے کیا سوچ کر سب سنتی گئی اور رات دیر تک اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہا۔ یہ نوبت ازدواجی زندگی میں کبھی کبھی آجاتی ہے۔ وہ جانتی تھی۔ اس کی زندگی میں بھی آئے گی اسے اندازہ تھا۔ لیکن اتنی جلدی.....

☼ ☼ ☼

صبح سر بے حد بھاری ہو رہا تھا۔ آنکھیں بوجھل جھومتی جھامتی وہ استری اسٹینڈ تک آئی۔ لیکن یہ کیا استری آن نہیں ہو رہی۔ "اف!" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

لائٹ گئی ہوئی تھی اور یقیناً" یہ گرمی کا احساس تھا۔ جس کی وجہ سے وہ خود بخود اٹھ گئی تھی۔ کسی کے جھنجھوڑنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

کل رات والی بدمزگی کا اثر ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ مزید گڑبڑ کے احساس نے اسے بوکھلا دیا۔ امی کے یہاں کوئلے والی استری ہے۔ اس سے کام چل سکتا تھا۔ لیکن رافع اتنی دیر انتظار کرلیں گے..... کرنا پڑے گا' مجبوری ہے۔

فیصلہ کرکے وہ سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آگئی۔ کوئلے سلگائے۔ پھر انتہائی دلجمعی سے جما جما کر استری کرتے اسے وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ حواس تو اس وقت اڑے' جب اس نے رافع کو ایک دن پہلے والے کپڑوں میں منہ پھلا کر آفس جاتے دیکھا۔

"کیا مجھے اتنی دیر ہوگئی۔" استعجابیہ انداز میں خود کلامی کرتی ہوئی وہ اوپر آگئی۔ زرتاج کا بھی موڈ خراب تھا۔

"کیا ہوا؟" اس نے پوچھا۔

"کیا نہیں ہوا یہ پوچھیں۔ اتنا غصہ کر رہے تھے بھائی۔ آپ سے کہا بھی ہے کہ رات میں ہی استری کر لیا کریں۔ ابھی ابھی لائٹ آئی ہے۔ اتنی باتیں سنا کر رکھ دیں۔ ہم تو جیسے نوکر ہیں نا۔"

اس کی بڑبڑاہٹیں عروج پر تھیں۔ وہ چور سی بن گئی۔ طبیعت میں عجیب گرانی سی تھی۔ تائی امی دیکھتے ہی چونک گئیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتیں وہ لہرا کر زمین پر آرہی۔

☼ ☼ ☼

گھر میں ننھے مہمان کی آمد آمد تھی۔ اس کی آنکھیں کھلیں تو خود کو امی کے یہاں اپنے کمرے کے آرام دہ بستر پر پایا۔ سب اس کے اردگرد جمع تھے۔ ایک طرف سونیا تو دوسری طرف ارحم براجمان تھے۔ ہر شخص کے چہرے پر خوشی رقصاں تھی۔ اس کی پلکیں بے وجہ نم ہوگئیں۔

کسی "بے صبرے" نے فون کرکے رافع کو اس کی بے ہوشی کی خبر دے دی تھی اور اب یقیناً" خوش خبری بھی ان تک پہنچ چکی تھی۔ وہ آفس سے جلدی اٹھ آئے۔

خراماں خراماں اس کی پسندیدہ مٹھائی ڈبے میں بھرے۔ سب کو بانٹ کر آخر میں اس کے منہ میں بھی ٹھونس دی۔

"مجھے بتایا کیوں نہیں کہ تمہاری طبیعت خراب ہے۔" ان کا لہجہ ندامت بھرا تھا۔

"میں نے خوامخواہ میں تمہیں اتنا کچھ کہا۔"

"آپ کو فرصت مل گئی۔ میری طرف دیکھنے کی۔ میری بات سننے کی۔" اب کے منہ پھلانے کی باری اس کی تھی۔ کچھ دیر دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر ہنس دیے۔

رافع کی ایک اچھی عادت یہ تھی کہ' وہ جب بھی اچھے موڈ میں ہوتے' اپنی کسی زیادتی کا ازالہ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ' ان کا موڈ بہت کم ہی اچھا ہوتا تھا۔ اول تو یکے بعد دیگرے دو دو پروموشن مل جانے کے بعد' ان کے پاس وقت ہی اتنا نہ بچتا تھا کہ وہ اچھے یا برے موڈ میں آسکیں۔

جیسے جیسے ان کی آفس کی ذمہ داریاں بڑھتی گئیں۔ ویسے ویسے وہ رابیل کی ذمہ داری سے غافل ہوتے گئے۔ زرتاج کی شادی کی تاریخ طے ہوگئی اور شادی ایک دم ہی سر پہ کھڑی نظر آنے لگی۔ گھر میں کاموں کے انبار لگ گئے۔ نگہت آپی رہنے کے لیے آگئی تھیں۔ تائی امی اور زرتاج کے ساتھ بازاروں کے چکر لگتے۔ ایسے میں وہ نگہت باجی کے بچوں کو سنبھالتی یا گھر دیکھتی۔ کئی بار اسے بھی پیشکش کی۔ لیکن اپنی طبیعت کے پیش نظر اس نے خود ہی گھبرا کر منع کردیا۔

☼ ☼ ☼

"ہزاروں بار..... ہزاروں بار کہہ چکا ہوں تمہیں کہ میرے کپڑے رات میں ہی....." آج رافع پہ ایک بار پھر چیخ وپکار کا دورہ پڑا تھا۔ اس کی بھی لاکھ چاہنے کے باوجود یہی عادت نہ پڑ سکی۔ کہ رافع کی آفس سے متعلقہ چیزیں رات سے ہی تیار کرکے رکھ لیا کرے۔

اس نے جلدی جلدی الٹے سیدھے کپڑے پریس کرکے ان کے ہاتھوں میں تھمائے۔ ناشتا دیا تو انہیں ایک دم ہی یاد آگیا کہ کل انہوں نے رابیل سے اپنے شوز بھی پالش کرنے کے لیے کہا تھا۔ وہ جوتوں پر برش پھیر رہی تھی۔ تو وہ سر پر آکر کھڑے ہوگئے۔

"سارے رومال گندے پڑے ہیں۔ ایک بھی جوڑی ڈھنگ کے سوکس....."

"بھابھی!" اس نے بھری بھری آنکھوں سمیت سر اٹھایا۔

"یہ میں کر رہا ہوں۔ آپ جا کر ان کے لیے رومال دھو دیں۔" نافع نے نرمی سے اس کے ہاتھ سے شوز برش لے لیا۔ وہ چپ چاپ سرف اور رومال اٹھا کر واش بیسن پر چلی گئی۔

میری سانسوں میں بسا ہے' تیرا ہی اک نام۔
تیری یاد ہم سفر صبح وشام

واش روم کے آئینے میں اس نے نافع کو گنگناتے

ہوئے دیکھا۔ بڑے اطمینان سے وہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ اسے رافع کی نسبت دیر سے جانا ہوتا تھا۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ رافع نے اس کے سامنے کبھی اس طرح کوئی گانا نہیں گایا تھا۔ شادی کے انتہائی اولین دنوں میں بھی نہیں اور اب تو شادی کے ان ابتدائی دنوں کو یاد کر کے اس کے دل سے 'لبوں سے ایسے آہ نکل جاتی تھی۔ جیسے اس کی شادی کوئی بہت پرانا بھولا بسرا واقعہ تھی۔

"کس ٹائپ کے آدمی ہیں رافع بھی۔"

اپنے ذہن میں ڈنک مارتی سوچ پر وہ خود بھی حیران نہیں ہو پائی تھی کہ رافع کی آواز پر دھلا ہوا رومال لے کر استری اسٹینڈ کی طرف بھاگی۔

"اب استری کرو گی؟"

اس نے رافع کا حیرت بھرا سوالیہ چہرہ اور جھٹکا ہوا سر نظر انداز کر کے اپنا کام شروع کیا۔ رافع کی بڑبڑاہٹ دیر تک جاری رہی اور آخر میں وہ رومال اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر بغیر اللہ حافظ کہے ہی چلے گئے۔

ضبط کرتے کرتے بھی دو نمکین شفاف موتی اس کے رخساروں پر لڑھک آئے۔

یہ کس نہج پر جا رہے ہیں ہمارے تعلقات؟ یا اللہ ہماری ازواجی زندگی کو خوش گوار بنانے کی ہمت میرے اندر پیدا کر۔ میرے دل میں اپنے شوہر کے لیے بے پناہ محبت پیدا کر اور مجھے ان کی سعادت مند بیوی بنا دے۔ آمین!"

اس کے دکھی دل سے بے اختیار دعا نکلی تھی۔

☆ ☆ ☆

زرتاج کی شادی بخیر و خوبی نبٹ گئی اور احد کزن سے نندوئی بن گیا۔ اور زرتاج جو اس کی کزن اور نند تھی۔ اب بھابھی بھی ہو گئی۔

شادی کے دوران سب ہی نے اس کی زرد رنگت اور گری گری طبیعت کو نوٹ کیا۔ نہ کیا تو اس ستم گر نے ہی احساس نہ کیا۔ جس کے فیض سے وہ یہ سب جھیل رہی تھی۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ کوئی بہت ہی سخت گیر' غصہ ور' اخلاقیات سے بے بہرہ' بیوی کی طرف سے بے فکرا شخص تھا۔ لیکن بس یہ تھا کہ اسے ہر بات دکھانا' جتانا پڑتی تھی۔ وہ اپنی طرف سے ہونے والی زیادتیوں کے ازالے کی کوششیں بھی کرتا تھا۔ لیکن یہ کوششیں اب زیادہ تر ناکام کوششوں میں بدل گئی تھیں۔

اس کے پاس سوچنے کے لیے ڈھیروں باتیں تھیں۔ ان گنت لمحوں میں رافع کا بیگانہ رویہ۔ سرد انداز کڑھنے کے لیے بے شمار وقت اور رافع کے پاس شاید وقت ہی نہیں تھا۔ وہ آفس سے واپسی پر ہمیشہ یہی کہتا۔

"جلدی کھانا دے دینا۔ یہ نہیں کہ ایک گھنٹا لگا دو۔ ابھی وقت پہ سو جاؤں گا تب ہی ٹائم پر آنکھ کھلے گی۔ آج بھی دیر ہو گئی تھی۔"

اور وہ جو اس سے کوئی بات کرنے کی کوشش میں تمہید کے لفظ چن رہی ہوتی' چپ کی چپ رہ جاتی۔

☆ ☆ ☆

کچھ ہی عرصہ گزرا تھا جب ننھا سا گپلو سا بیٹا' ان کی فیملی میں رونقیں بکھیرنے چلا آیا۔ سب کے مشوروں اور بہت چاہ کے ساتھ' اس نے اپنے بیٹے کا نام ولید رکھا۔ جو بعد میں ولی ہو گیا اس کی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ ہوا۔

"شادی کے بعد زندگی کا مطلب ہوتا ہے گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ تفکرات اور ذمہ داریوں میں اضافہ۔" ایک بار امی نے اس کے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

"بس اللہ تمہیں ان ذمہ داریوں سے احسن طریقے سے نبرد آزما ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔"

رابیل کی کم عمری کی وجہ سے وہ اس کی طرف سے بہت فکر مند رہتی تھیں۔

"ایک بات یاد رکھنا۔ اپنی تائی امی' تایا ابو' رافع یا گھر کے کسی بھی فرد کے سامنے کبھی بد تمیزی مت کرنا۔ زبان مت چلانا۔ کیونکہ اچھا برا وقت تو بہر حال

گزر ہی جاتا ہے۔ لیکن بات ہمیشہ کے لیے یاد رہ جاتی ہے۔"

اس نے ماں کی اس نصیحت کو یاد رکھا تھا اور سب کی تلخ ترش باتیں سر جھکا کے سنی تھیں۔ لیکن رافع کا مزاج' اس کی لاکھ برداشت کے باوجود ضبط سے باہر ہو جاتا تھا۔ ولی کے ہو جانے کے بعد جس طرح اس کی مصروفیات میں ایک دم سے اضافہ ہوا تھا۔ اس لحاظ سے رافع کو اس کا خیال کرنا چاہیے تھا۔ لیکن ان کی ترش باتیں' کبھی کبھی رابیل کو بہت دل برداشتہ کر دیتی تھیں۔

وہ ایسا ہی ایک موقع تھا۔ جب وہ سوئے ہوئے ولی کو گود میں لٹائے ہوئے' رافع کی طرف متوجہ تھی۔ وہ بہت انہماک سے کسی فائل میں محو تھے اور رابیل ان کا ایک ایک نقش دیکھتے ہوئے گویا دل میں اتار رہی تھی۔ اچانک ہی وہ اٹھے۔ سائیڈ ٹیبل کی دراز کھنگالی اور کچھ یاد آ جانے پر اس کی طرف مڑ کر دفتری کاغذات کے متعلق استفسار کرنے لگے۔ وہ ولی کو گود سے لٹاتے لٹاتے رک گئی۔

"مجھے نہیں پتا آپ نے مجھے دیے ہی کہاں۔"

رافع چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔ ان کے چہرے کی رنگت پل بھر میں بدل گئی۔ اگلے ہی لمحے انہوں نے رابیل کی شان میں انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہوئے' اسے ایک پھوہڑ اور بد سلیقہ بیوی قرار دے دیا۔

"ہاں ہاں میں پھوہڑ ہوں۔ بد سلیقہ اور بے غیرت ہوں۔ لیکن آپ خود کیا ہیں۔" اس نے کہتے ہوئے ولی کو زور سے بیڈ پر پٹخ دیا۔ وہ اس افتاد پر جاگ گیا اور زور زور سے رونے لگا۔ لیکن رابیل کو اس کی ننھی فریاد سے کوئی دل چسپی نہیں تھی۔

"آپ بے حس ہیں خود غرض ہیں۔ کوئی چیز نہیں ہے آپ کے اندر احساس نام کی۔ اپنے بیٹے کی طرف' بیوی کی طرف کتنے دنوں سے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا آپ نے۔ بس پیسے کمانے اور لا کر گھر والوں کے ہاتھ پر رکھ دینے سے آپ کے فرائض پورے ہو گئے۔ آپ کو یاد ہے کتنے دن کا ہو گیا ہے آپ کا بیٹا؟ نہیں'

نہیں۔"

وہ بے ساختہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ یہ دیکھے بغیر کہ اس کی تقریر کے جواب میں رافع کے کیا تاثرات ہیں۔ یا ولی کتنے زور زور سے رو رہا ہے۔

لاؤنج میں بیٹھے تایا ابو اور نافع ایک سکتے کے عالم میں' ان کے کمرے کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔ غالباً" پہلی بار اس کی آواز اپنے کمرے کی دیواروں سے باہر آئی تھی۔

اسے اس وقت کسی کی پروا نہیں تھی۔ اپنے روتے سسکتے دل کو سیڑھیوں پر رک کر' قابو کرتے ہوئے وہ امی کے پاس جانے کے بجائے' سیدھی صحن میں پھیلی ہوئی نیم کی ٹھنڈی چھاؤں تلے بچھے تخت پر آ کر لیٹ گئی اور لیٹتے ہی ڈھیروں گرم گرم آنسو' اس کی آنکھوں سے نکل کر دائیں بائیں بہہ گئے۔

"رافع! میں نے آپ کو کیا سمجھا تھا اور آپ کیا نکلے' ساتھ زندگی گزارنے سے اگر لوگ اتنے بد لحاظ ہو جاتے ہیں تو' ان سے تو میں اکیلی ہی بھلی۔ ایک نظر بیوی کو محبت سے دیکھنے کے بعد' اگلے ہی پل اس طرح آنکھیں پھیرتے ہیں کہ حیران ہونے کا بھی موقع نہیں دیتے۔ میں بھی تو انسان ہوں۔ کوئی مشین تو نہیں کہ ادھر بٹن دباؤں اور ادھر کام ہو جائے۔"

چھٹی کا دن تھا۔ گھر کے سب ہی مرد گھر پہ تھے۔ وہ دانستہ اٹھ کر اندر کی طرف نہیں گئی۔ مبادا اس کی روئی روئی صورت دیکھ کر پریشان ہوں۔

"کاش! کاش رافع آپ! میری کمی محسوس کریں آج۔ صرف میرے وجود کی نہیں میرے احساس کی' میری خوشبو کو۔" سوچتے سوچتے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ پتا نہیں چلا۔

☆ ☆ ☆

درختوں کے سائے لمبے ہو رہے تھے۔

کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر وہ بوکھلا کر اٹھی تھی۔ آس پاس نظر پڑتے ہی ڈھیلی سی ہو کر بیٹھ گئی۔

سامنے برآمدے میں تائی امی ' امی کے پاس بیٹھی تھیں۔ شاید انہوں نے ہی ولی کو اس کے برابر میں لٹایا تھا۔

وہ اسے گود میں لے کر چپ کرانے لگی۔

وہ چور نظروں سے تائی امی کو دیکھتی اسے گود میں اٹھا کر اپنے کمرے میں آگئی۔ جو اس کی شادی ہو جانے کے بعد بھی 'اسی کے لیے مخصوص تھا۔ ولی دودھ پیتے پیتے سو گیا۔ اور جب وہ اسے لٹا رہی تھی 'تو اس نے رافع کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔

وہ سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے سامنے براجمان ہو گئے۔

"ناراض ہو؟" کچھ دیر بعد رافع نے پوچھا' وہ چپ چاپ ناخنوں سے کھیلتی رہی۔

"میری بات کا جواب بھی نہیں دو گی۔ کیا اتنی ناراض ہو۔" اس کی نظریں ہنوز جھکی رہیں۔ رافع آگے بڑھے اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ وہ سن سی ہو گئی۔

"تم ...... میں بہت زیادتی کر جاتا ہوں تمہارے ساتھ۔ بہت تلخ ہو جاتا ہے میرا رویہ۔" اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے۔

"اب رو کیوں رہی ہو۔ رو مت میرا مقصد تمہیں رلانا نہیں ہوتا رابی۔" ان کا لہجہ اس سے کتنا اچھا تھا۔ رابیل کو لگا یہ وہ رافع ہیں ہی نہیں۔ آنسو اس کی آنکھوں سے چھلک آئے 'ایک آنسو ٹپ سے ان کی ہتھیلی کی پشت پر گرا۔

"ارے ارے! رابی چپ ہو جاؤ پلیز۔" وہ ایک دم آگے بڑھے اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

رابیل کی سسکیوں میں تیزی آگئی۔ وہ کتنی ہی دیر روتی رہی 'شاید اس کے دل میں جمع شدہ غبار اسی راہ سے نکل جانا تھا آج۔

"تم ...... تم اس دنیا کی سب سے اچھی بیوی ہو رابی اور میں سب سے خوش قسمت آدمی کہ مجھے تم جیسی بیوی ملی۔"

وہ اس کی سماعتوں میں اپنی خوب صورت آواز اور الفاظ کا جادو بھرا امرت ٹپکاتے رہے اور رابیل کے آنسوؤں میں دھل دھل کر سارا منظر نکھرتا رہا۔

☼ ☼ ☼

چار سال ...... رافع کی دھوپ چھاؤں جیسی رفاقت میں آگے پیچھے دوڑتے بھاگتے نکل گئے تھے۔ کبھی وہ حساب کرنے بیٹھتی تو سوچتی۔ شادی واقعی ایک جوا ہے۔ لیکن میں اگر اس جوئے میں کامیاب نہیں رہی تو بہت بری طرح ہاری بھی نہیں۔ رافع غصے کے تیز سہی۔ لیکن کبھی کبھی خود ہی خیال کر کے چپ ہو جاتے ہیں۔ کبھی ان کی چاہت کا ساون رابیل پر چھاجوں چھاج برستا۔ تو کبھی ان کے سخت نوکیلے رویوں کے باعث وہ چیخ چیخ جاتی۔ ولی کافی بڑا ہو چکا تھا۔ ان دونوں کے مابین تلخ کلامی کو تھوڑا تھوڑا سمجھنے لگا تھا اور جب وہ دونوں غصے میں ہوتے تو سہم کر ان کی شکلیں دیکھتا رہتا۔

گھر میں فی الحال صرف اسی کا اضافہ ہوا تھا۔ کچھ لوگوں کی البتہ کمی شدت سے محسوس ہوتی۔

ارحم کو آفس کی طرف سے دبئی بھیج دیا گیا تھا۔ وہ سال چھ مہینے بعد کہیں شکل دکھاتا تھا۔ سونیا کو پھوپھو نے اپنے دوسرے بیٹے موحد کے لیے مانگ لیا تھا۔ وہ بھی پیا دیس سدھار گئی۔ سونیا اور زرتاج ' دیورانی جٹھانی بن گئیں اور معید ان کا اکلوتا کنوارا دیور تھا۔ جو ان دونوں کو تنگ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتا تھا۔

نافع صبح کا نکلا رات گئے شکل دکھاتا 'اس نے ایک دوست کے ساتھ مل کر سائیڈ بزنس شروع کر رکھا تھا۔ تایا ابو ہمیشہ سے گھر کے خاموش ترین مشفق فرد تھے۔ رابیل نے انہیں بہت کم غصہ کرتے یا فضول میں بولتے ہوئے سنا تھا۔ اور رافع تو تھے ہی مصروف۔

امی کے یہاں بھی اب صرف تین ہی افراد تھے۔ امی 'ابو اور ارقم۔

پورے گھر میں خاموشی چھائی رہتی اور اس خاموشی میں صرف ننھے ولی کی معصوم قلقاریاں دراڑیں ڈالتی رہتیں۔ وہ اپنی توتلی زبان میں خوب باتیں کرتا۔

پورے گھر میں یہاں سے وہاں دوڑتا پھرتا اور اپنی ماما اور دادی کی "سنبھل کے" "ارے ارے گر جاؤ گے۔" کی آوازوں کی پروا نہ کرتے ہوئے ' دھما دھم سیڑھیاں اتر کر نانی امی کے یہاں بھاگا جاتا۔ جہاں چھوٹے ماموں (ارقم) نانا ابو اور نانی امی اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے 'اس کی چھوٹی چھوٹی معصوم فرمائشیں دل و جان سے پوری کرتے۔

ارقم کا ایم کام مکمل ہو چکا تھا۔ وہ آج کل نوکری کی تلاش میں تھا اور نوکری بھی اسے بس ملنے ہی والی تھی۔ وہ ایک دو جگہ سے آئی ہوئی آفرز پر غور کر رہا تھا۔

اسے خالی گھر کا سونا پن اور خاموشی کاٹ کھانے کو دوڑتی۔ وہ بلا تکان تائی امی سے باتیں کیے چلی جاتی۔ وہ بھی کسی اچھے سامع کی تلاش میں رہتیں۔ دونوں مل کر دنیا جہان کے موضوعات کھنگال ڈالتیں۔

رابیل کو اپنا گھر کسی ایسی معصوم چڑیا کا گھونسلہ معلوم ہوتا 'جس کے سارے پنچھی پر نکال کر اڑ گئے تھے۔ اپنے اپنے حصے کا رزق تلاش کرنے ہاں جب بہت باجی یا زرتاج چکر لگاتیں 'تو صورت حال مختلف ہوتی۔

اس کی ہمیشہ سے زرتاج اور سونیا سے فرمائش ہوتی کہ تم دیورانی اور جٹھانی ایک ساتھ کیوں نہیں آتیں۔ لیکن ایسا بہت کم ممکن ہوتا۔ ورنہ پھوپھو اکیلی پڑ جاتیں۔ معید بھی جاب کرنے لگا تھا اب۔ ایسے میں زرتاج اور سونیا میں سے کسی ایک کو ان کی خاطر گھر رکنا پڑتا۔ جب سے پھوپھو انجائنا کی مریضہ ہوئی تھیں یہ احتیاط ناگزیر ہو گئی تھی۔

اس پر اب بھی اداسی کے دورے پڑتے تھے۔ اب ان کا دورانیہ بھی طویل ہو گیا تھا۔

وہ چھت کی طرف جانے والی سیڑھیوں پر بیٹھی ' انہی سوچوں میں گم رہتی۔ ماضی کے خوش رنگ باب اسے 'اپنے ساتھ یادوں کے صحرا میں گھسیٹتے اور وہ خوشی خوشی ان کے ساتھ چل پڑتی۔ گرمیوں کی لمبی دوپہریں اس کے شغل کی نذر ہو جاتیں۔ تائی امی اپنے کمرے میں سوئی رہتیں۔ ولی نیچے چلا جاتا۔ پھر وہ ہوتی اور اس کی رنگ برنگی یادیں۔

"کہاں کھو گئی وہ نٹ کھٹ سی رابیل۔ جس کے چہرے پر رافع کا نام سنتے ہی شگوفے کھل جاتے تھے؟" وہ اپنے آپ سے سوال کرتی لیکن کوئی جواب نہ آتا۔

"رافع اب مجھے پہلے کی طرح پیار کیوں نہیں کرتے؟"

وہ نیم کی موٹی موٹی پتوں سے لدی ہوئی شاخوں سے پوچھتی رہتی۔ "کیا میں اتنی نااہل ہوں کہ رافع نے اپنی خواہش بنا کے زندگی میں شامل تو کر لیا۔ لیکن پھر ہمیشہ ایک غلطی کی طرح 'نفی کرتے رہتے ہیں۔ ان کا آفس 'کپڑوں کی استری 'جوتوں کی پالش 'ٹائی کی میچنگ 'میری ایک پیاسی ' ترسی ہوئی نظر سے زیادہ اہم ہو گئے۔"

جب سے ولی بڑوں کی باتوں کو سمجھنے اور جواب دینے لگا تھا۔ رافع کی اس میں دلچسپی ایک دم ہی بڑھ گئی تھی۔ وہ آفس سے واپسی پر اسے ضرور ٹائم دیتے۔ سونے سے پہلے بستر پر اس کے ساتھ دیر تک کشتی لڑتے۔

باپ بیٹے کے اس محبت بھرے سین میں ماں کہاں تھی۔ وہ حسرت سے ان دونوں کو ہنستے مسکراتے ہوئے دیکھتی رہتی اور سوچتی رہتی۔ جتنی دیر میں ولی کو سلا کر ' ان کی طرف پلٹتی 'سارے دن کی نڈھال ' تھکے ہارے رافع نیند کی وادیوں میں اتر چکے ہوتے۔

ایسے میں ان کو دیکھتے ہوئے ' جانے کہاں سے ان ہی کی طرح لمبی مسافت طے کر کے آئے دو تھکے ہوئے آنسو اس کی پلکوں سے ٹوٹ کر 'بستر کی شکنوں میں کہیں گم ہو جاتے۔ بہت چپکے سے۔ بہت خاموشی سے۔

☼ ☼ ☼

ارقم کو جاب مل گئی۔ معقول تنخواہ ' مناسب ٹائمنگز۔ فخر و انبساط سے اس کا چہرہ تمتما گیا۔

"ارقم اپنی جاب ملنے کی خوشی میں گھر میں زبردست پارٹی دینے والا تھا۔ اس لیے ایک روز پہلے ہی پھوپھو کو بمعہ فیملی زبردستی کھینچ کھانچ کے گھر لے آیا۔ رابیل کی

خوشی دیکھنے والی تھی۔ احد' موحد اور معید تینوں آفس سے واپسی پر ان ہی کے یہاں آ گئے۔

دوسرے دن اتوار تھا۔ اسی دن دعوت بھی تھی۔ اور سب کارت بجے کا پروگرام بھی' نگہت باجی بھی موجود تھیں۔

وہ بھی رافع سمیت نیچے چلی آئی۔ رافع کو اس نے بہت دن بعد' اس طرح خوش دیکھا تھا۔ شاید وہ بھی ایک جیسی روٹین سے اکتا گئے تھے۔ اس خوشی کے موقع پر سب کے لیے ایک سرپرائز بھی موجود تھا۔ جس سے وہ سب ہی ناواقف تھے اور وہ سرپرائز تھا ارحم کی آمد۔

دروازہ رابیل نے ہی کھولا تھا اور ارحم کو دیکھ کر' ایک چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی۔ ارحم اسے لپٹائے ہوئے اندر آیا۔ امی نے دیکھا تو ان کی حالت بھی مارے خوشی کے غیر ہو گئی۔ وہ اتنے ہی شاندار موقع پر آیا تھا۔ امی کو تو رونا آ گیا۔ رابیل بھی رونے لگی۔ سونیا کی پلکیں بھی نم ہو گئیں۔

ارحم اور پھوپھو نے بڑی مشکل سے چپ کروایا۔

آج تو خلاف عادت تایا ابو بھی خوب چہک رہے تھے' زور زور سے ہنس رہے تھے۔ غم روزگار نے سب کو ایک دوسرے سے دور ضرور کر دیا تھا۔ لیکن یہ دوری اور جدائی کسی کو بھی گوارا نہیں تھی۔ بہت عرصے کے بعد وہی بڑا سا صحن' نیم کا درخت اور نو گوٹی کی کوڑیاں۔

دعوت کا تمام انتظام و انصرام' رابیل اور سونیا نے ہی سنبھالا اور بہت خوش اسلوبی کے ساتھ بخیر و عافیت نبٹایا بھی۔ اب سب لوگ ٹھنڈی ہوا کا لطف لینے بیٹھے تھے۔ لڑکے اپنے پان اور سگریٹ (چھپ چھپا کر) کی طلب پوری کرنے باہر جا چکے تھے۔

آج بہت عرصے بعد وہ بھی یوں کھیلنے بیٹھی تھی اور وہ بھی دل اتنا لگا کے۔ جب ہی جیت بار بار اس کا مقدر بن رہی تھی۔ اس کا دل خوشی سے بھرا ہوا تھا اور اپنے بلند و بانگ قہقہے خود اسے بھی اجنبی سے لگ رہے تھے ایسا لگتا تھا کہ غم تو کبھی پاس سے چھو کر بھی نہیں گزرا۔ حالانکہ ولی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور اس کے سوکس بھیگ جانے کے سبب' اس نے ذرا دیر پہلے رافع سے ٹھیک ٹھاک ڈانٹ کھائی تھی۔

لیکن اس نے یہ بات ہمیشہ کی طرح دل پر لینے کے بجائے' چٹکیوں میں اڑا دی تھی اور ابھی بھی وہ سونیا کی کسی بات پر بے تحاشا ہنس رہی تھی۔ جب اس نے رافع کو اپنے سر پر کھڑے دیکھا۔

"ولید کہاں ہے۔" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

"ولی ہاں وہ......" اس نے یونہی صحن کے اس حصے کی طرف نگاہ دوڑائی جہاں نگہت باجی کے بچے کھیل رہے تھے اور پاس ہی واکر میں زرتاج کی بیٹی۔

"ہو گا ادھر ہی یا اندر کہیں۔"

"کہیں نہیں ہے میں سب جگہ دیکھ آیا ہوں۔"

"اچھا!" وہ تعجب سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ سنجیدہ اب بھی نہیں تھی۔ جب ہی گھر کی اندرونی سمت پہنچتے ہی بڑے لاڈ سے بولی۔

"رافع میں کیسی لگ رہی ہوں۔"

"یہ کوئی ان باتوں کا وقت ہے۔" رافع نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔ اس نے گہری سانس بھری۔

"میں اوپر دیکھتی ہوں۔" مرجھائے ہوئے لہجے میں کہہ کر وہ اوپر کی طرف چلی کیونکہ ولی نیچے کہیں نہیں تھا۔ سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے اسے معاملہ سنگین لگنے لگا۔

"بھلا ادھر اکیلا ولی کیا کرنے جا سکتا ہے۔ بلکہ وہ تو سیڑھیوں کی لائٹ آف ہونے کی وجہ سے' اکیلا اس طرف آتا بھی نہیں۔"

اس کے خدشات درست نکلے۔ ولی اوپر بھی نہیں تھا۔ بلکہ پورے گھر میں کہیں نہیں تھا۔ لڑکے اپنا "شوق" پورا کر کے واپس آ چکے تھے اور ولی کی گمشدگی کی خبر' جنگل کی آگ کی طرح صحن میں بیٹھے افراد خانہ میں پھیل چکی تھی۔ ہر ایک کے چہرے پر تشویش و پریشانی رقم تھی۔

"گھر سے باہر کہاں جا سکتا ہے۔ جاؤ ایک بار' رافع تم جا کے دیکھو صحیح سے۔" کسی نے ڈھارس بندھائی

اور وہ خود میکانکی انداز میں اٹھ کر رافع کے پیچھے چلی آئی۔

کسی نے باہر سے آئے ہوئے موحد اور معید کو واپس دوڑا دیا۔

"جاؤ دیکھو! غلطی سے دروازہ کھلا رہ گیا ہو اور وہ باہر نکل گیا ہو۔ نادان تو ہے۔"

رافع نے گھر کا چپا چپا چھان مارا' یہاں تک کہ چھت پر بھی دیکھ آئے۔ رابیل کسی مجرم کی طرح' فرد جرم سنتی ہوئی' رافع کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ اور آنسو بھی بہا رہی تھی۔

مایوسی کی انتہا پر پہنچ کر' جب نیچے جانے کے لیے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔ تو رافع پلٹ کر اس سے بولے۔

"سب تمہاری لاپروائی کا نتیجہ ہے۔ اگر میرے بیٹے کو کچھ ہوا نا رابی! تو اس کی ذمہ دار سراسر تم ہو گی اور میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ اگر اس کا بال بھی بیکا ہوا تو میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔ سنا تم نے! طلاق دے دوں گا طلاق۔"

سرد اور کٹھور لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے وہ رکے نہیں۔ بلکہ تیزی سے سیڑھیاں اترتے چلے گئے

رابیل کے چہرے پر چھا جانے والی ناامیدی' لاحاصل اور رائیگاں جانے والی زندگی کی ایک لمبی مسافت کے ہارے ہوئے سائے دیکھنے کی شاید انہیں فرصت نہیں تھی۔ ان کا بیٹا گم ہو گیا تھا۔ جسے اس عورت نے زندگی اور موت کی کشمکش سے کھیل کر پیدا کیا تھا۔ جو ایک مجرم کی طرح' سکتہ اوڑھے ایک ایک سیڑھی یوں اتر رہی تھی۔ جیسے ابھی گر جائے گی۔

زرتاج اور سونیا نے بڑھ کے اسے تھاما۔

اس کا دل اندر ہی اندر اتھاہ گہرائیوں میں جیسے ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔

"ارے اللہ! اسے کیا ہوا یہ تو کانپ رہی ہے تھر تھر جا جلدی سے کمبل لا سونیا۔"

امی کی گھبرائی' روئی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

تائی امی اور نگہت باجی ولی کو بھول بھال اس کی ہتھیلیاں سہلانے لگیں اور وہ خالی خالی نظروں سے سب کو تکنے لگی۔

موحد اور معید نامراد لوٹ آئے تھے۔ رافع کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنے بال نوچ ڈالیں۔ اسی وقت برآمدے کا دروازہ کھلا۔ ایک ہاتھ پہ کمبل اور دوسرے کندھے پر ولی کو لٹائے سونیا اندر سے برآمد ہوئی۔

زرتاج ایک چیخ مار کر اس کی طرف لپکی۔

سونیا نے عقل مندی کی تھی کہ چیخنے چلانے کے بجائے' خاموشی سے نیم بے ہوش بچے کو کندھے سے لگائے باہر آئی تھی۔ لیکن زرتاج سے یہ عقل مندی نہ ہو سکی۔

رافع بجلی کی طرح جھپٹے اور گود میں بھر کے اسے بے طرح چوم ڈالا۔ اس کا سر ایک جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور خون کی بہتی ہوئی لکیر' کنپٹی سے ذرا نیچے تک جم گئی تھی۔

"کہاں تھا یہ۔"

"کہاں سے ملا۔ یہ کیا ہو گیا اسے۔"

جتنے لوگ تھے۔ اتنے ہی سوالات سب ہی اس کی حالت اور غیر موجودگی کے متعلق اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کا جلد از جلد جواب چاہتے تھے۔

نگہت باجی جلدی سے کپڑا گیلا کر کے اس کا سر صاف کرنے لگیں۔ وہ ہلکا سا کسمسایا پھر امی کی طرف ہمکنے لگا۔ امی نے "میرا بچہ" کہہ کر اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

"یہ اسٹور میں بستروں پر چڑھ کر کھیل رہا تھا شاید اکیلے ہی کھیلتے کھیلتے ہی پیچھے گرا ہو گا۔ وہیں وہ لوہے والا سریا ان کے سر میں لگا ہو گا اور یہ روتے روتے سو گیا۔ ہم سب تو باہر تھے نا۔ اس لیے آواز نہیں آئی۔"

سونیا قرین از قیاس بات کر رہی تھی۔ جس کے غلط ہونے کے چانسز صرف دو فیصد ہی تھے۔

اسٹور میں رکھے ہوئے بستر' وہ خطرناک جگہ تھی۔ جہاں چڑھ چڑھ کر اچھلنے کے لیے ولی اکثر ہی بے قرار رہتا تھا۔ لیکن ان ہی بستروں کے پیچھے کی جگہ جو کہ

بالشت بھر خالی تھی اور وہاں ایک نوکیلا لوہے کا سریا لگا ہوا تھا۔ ذرا سی بے احتیاطی سے بہت نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔ اسی وجہ سے اسے اسٹور میں جانے سے منع کیا جاتا تھا۔ اور اگر وہ یہ بے سرا کھیل کھیلتا بھی تو اس کے ساتھ گھر کا کوئی نہ کوئی فرد موجود رہتا تھا۔

آج بھی وہ موقع ملتے ہی' اسٹور میں گھس گیا اور پیچھے کی طرف گر جانے کی وجہ سے ڈھونڈے نہ ملا۔

"ابھی میں نے کمبل نکالنے کے لیے بستر ہٹائے تو اس کا ہاتھ نظر آیا۔" سونیا بھیگی بھیگی مسکراہٹ لیے بتا رہی تھی۔ ولید میں تو جیسے سب کی جان تھی۔

رابیل بھی اٹھ کر ولید کو دیکھنے لگی۔ امی نے اس کی گود میں ڈالا تو اس نے دیوانہ وار اسے چوم لیا۔ وہ اب بھی رو رہی تھی۔ پھر اپنے آنسو صاف کر کے رافع کی طرف دیکھا اور کٹیلے لہجے میں بولی۔

"مجھے طلاق چاہیے رافع۔"

سب لوگ اپنی اپنی بولی بول رہے تھے۔ لیکن اس کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ وہاں موجود ہر شخص کو سانپ سونگھ گیا۔ رافع سمیت۔

"کیا سوچ رہے ہو۔ دیکھو یہ رہا تمہارا بیٹا۔ اس کے ماتھے سے خون نکلا۔ اسے چوٹ لگی۔ اس کا خون بہا مجھے طلاق دو۔" اس کا لہجہ انتہائی گستاخانہ تھا۔ وہ اٹھ کر رافع کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔

"رابیل! یہ کیا تماشا ہے۔ کیا بکواس کر رہی ہو۔" ارقم نے آگے بڑھ کر دبی دبی آواز میں اسے گھرکا۔

"کوئی بکواس نہیں کر رہی میں ابھی اسی وقت سب کے سامنے طلاق دو مجھے' رافع سکندر طلاق دو۔" وہ رافع کا گریبان تھام کر ہذیانی انداز میں چیخی اور سب لوگ جیسے ہوش میں آ گئے۔

"تیرا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا رابی۔" امی سخت طیش کے عالم میں اسے تھپڑ مارنے کے لیے آگے بڑھی تھیں۔

"امی! آپ رہنے دیں۔" ارقم نے انہیں اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی اور رابیل کو اپنی طرف کھینچا۔ رافع کو تو جیسے سکتہ ہو چکا تھا۔

"اندر چلو رابی۔ مجھے تمہاری طبیعت صحیح نہیں لگ رہی۔"

"نہیں۔" اس نے بری طرح ارقم کا ہاتھ جھٹک دیا "میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ کچھ نہیں ہوا مجھے

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" سونیا زور سے غصے سے بولی۔ پھر وہ اسے پکڑ کر اندر کی طرف کھینچنے لگی۔ ارقم اس کے ساتھ تھا۔

رابیل اب بھی چلا رہی تھی۔ لیکن اس کا مخاطب صرف رافع تھا۔ اور مطالبہ بہت مختصر۔

"طلاق دو' مجھے طلاق چاہیے رافع..... دو' دو مجھے طلاق۔"

رافع اپنی جگہ بری طرح چور بن گئے تھے۔ ان کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ یوں سب کے سامنے اس قدر دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرے گی۔

اس کے اندر غائب ہوتے ہی' رافع اپنی جگہ سے اٹھے اور تیزی سے اوپر کی سمت بڑھ گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے ہی تائی امی اور تایا ابو بھی تھے۔ نگہت باجی اپنے بچوں کو آوازیں دے رہی تھیں۔ سب ایک دوسرے سے نظریں چرائے ہوئے تھے۔

سب ہی کے خیال میں رابیل کا یہ اچانک مطالبہ اپنے پیچھے کوئی کہانی چھپائے بیٹھا تھا۔ لیکن قصوروار سراسر رابیل تھی۔ جس نے اتنی بدتمیزی کی۔ اتنی بے ہودہ بات کی' سب کے سامنے' عورت تھی نا۔

دو دن گزر چکے تھے۔

اس نے سوائے پانی کے کوئی چیز منہ میں نہیں ڈالی تھی۔ رو رو کر آنکھیں اس حد تک سوج چکی تھیں کہ نمکین پانی کا ایک ننھا سا قطرہ بھی ان میں مرچیں بھر دیتا تھا۔ ولی کو بھی ان دو دنوں میں نہ اس نے اپنے پاس بلایا تھا نہ نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

سونیا اور پھوپھو رکی ہوئی تھیں۔ زرتاج واپس جا چکی تھی۔

کوئی کب تک اپنا گھر بار چھوڑ کے بیٹھ سکتا تھا۔ کل ہی نگہت باجی کے میاں انہیں لینے آئے تھے اور ان کو واپسی بحالت مجبوری عمل میں آئی تھی۔ وہ جانے سے پہلے رابیل کے پاس آئی تھیں۔ اس سے تمام بات کی تفصیل جاننے کے لیے۔ لیکن رابیل نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔ بس ان سے لپٹ کر دیر تک روتی رہی۔

تائی امی اور امی کے بیچ جو مثالی دوستانہ تھا۔ اولادوں کے درمیان بھی وہی مثالی محبت تھی۔

"بس کرو بیٹا رابیل۔" انہوں نے کمال ضبط سے اس کے آنسو پونچھے۔ "میں تو تمہیں بچپن سے جانتی ہوں۔ تم جان کر بھی کسی کا دل نہیں دکھا سکتیں۔ اور اب جو یہ بات ہوئی ہے۔ اس کے پیچھے کچھ ہاتھ یقیناً میرے بھائی کا بھی ہو گا۔ اللہ سے دعا کرو۔ تمہیں حوصلہ دے اور جو ہمارے حق میں بہتر ہو۔ وہی کرے میری جان۔"

انہوں نے بے حد محبت سے اس کی پیشانی چوم کر دعا دی۔ وہ رافع سے ایک سال چھوٹی تھیں۔ اور رابیل سے کم و بیش گیارہ سال بڑی تھیں۔ انہوں نے اپنے بچوں کی ہی طرح سے رابیل کو کھلایا تھا۔

حالات نے ایک دم سے جو بدصورت موڑ لیا تھا۔ اس پر ان کا دل بری طرح دکھ کر رہ گیا تھا۔ رافع اور رابیل کی شادی' ان کے دل کا دیرینہ ارمان تھا۔ اور اب رابیل کے منہ سے یہ بات سن کر انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کے بھائی کی ازواجی زندگی اس بری طرح الجھ چکی ہے۔

رابیل کو ہر شخص سمجھا سمجھا کر تھک چکا تھا۔ اس کی ضد دودھ کے ابال کی طرح اٹھنے والی ضد اور رافع کی پراسرار خاموشی سے تقریباً ہر شخص ہی سمجھ چکا تھا کہ اصل کہانی کچھ اور ہے۔

بات اتنی چھوٹی نہیں جتنی نظر آتی ہے۔

☼ ☼ ☼

دروازے پر کھٹکا ہوا۔

اس نے سرخ آنکھیں اٹھا کر دیکھا' اور تیزی سے اٹھ بیٹھا۔ شادی کے بعد' بابا کبھی ان کے کمرے میں نہیں آئے تھے۔ جو بھی بات کرنی ہوتی' کمرے سے باہر ہی ہوتی۔ لیکن آج کی بات کتنی خاص ہے یہ اسے ان کی آمد سے ہی پتا چل چکا تھا۔

"میں رابیل کے پاس بھی گیا تھا۔" رسمی باتوں کے بعد وہ اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے بولے۔

"جی۔" رافع کا سر جھک گیا۔

انہوں نے بہت گہری نظر سے اپنے بیٹے کا جھکا ہوا سر دیکھا۔ وہ ابھی اپنی بہو سے بھی بات کر کے آ رہے تھے۔ جس نے بات کرتے سے نظریں ضرور جھکا رکھی تھیں۔ جو یقیناً" اپنے تایا اور سسر کے دہرے رشتے کا احترام تھا۔ لیکن اس کا سر جھکا ہوا نہیں تھا۔ ایک پل میں ان کے دل نے جیسے فیصلہ دے دیا اور انہوں نے دل سے رابیل کو معاف کر دیا۔

"رافع! میرے بیٹے یہ زندگی بہت چھوٹی ہے اور جتنی مختصر ہے' اتنی ہی انمول بھی ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ہم اسے یوں چھوٹے بڑے جھگڑوں میں ضائع کر دیں یہ زندگی۔" انہوں نے رک کر رافع کا جھکا ہوا سر دیکھا۔ ان کے دل کو کچھ ہوا۔

"ہمیں ملی ہے۔ مل کر ساتھ وقت گزارنے کے لیے مل کر بچھڑ جانے کے لیے نہیں۔"

وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر ایک نظر اسے دیکھ کر بولے۔

"تم سے جو بھی غلطی ہوئی ہے' اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرو۔ تلافی کی کوئی صورت نکالو۔ کیونکہ میں جانتا ہوں' غلطی تم ہی سے ہوئی ہے۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے مڑے اور رک گئے۔ رافع نے ان کا ہاتھ تھاما تھا۔

"بابا!" ان کی آواز میں کیا تھا۔ وہ مڑ کر دیکھے بغیر بھی جان گئے کہ رافع کے چہرے پر کیسا ملال رقم ہے۔

"بابا مجھے معاف کر دیں۔ مجھ سے واقعی بڑی غلطی ہو گئی۔ قدرت کی طرف سے دی گئی برتری کا بڑا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے میں نے اور بار بار اٹھایا۔ اس دن بھی یہی ہوا تھا۔"

انہوں نے سر جھکا کے دھیمی آواز میں' ساری بات من و عن بابا کے گوش گزار کر دی۔ وہ ساری بات سن

کر مڑے اور رافع کے سر پر دستِ شفقت رکھ دیا۔
"اب بھی زیادہ دیر نہیں ہوئی میری جان معافی مجھ سے نہیں اس سے مانگو۔ جس کے اصل مجرم تم ہو۔"

☆ ☆ ☆

بہت مشکل سے اس نے سونیا اور امی کے بے حد اصرار پر دو چار نوالے زہر مار کیے تھے۔ پھر ٹرے سرکا دی۔ وہ جان بوجھ کر امی کے برابر میں کھڑے ولی سے نگاہیں چرا رہی تھی۔ جو معصوم ممتا کو ترسی ہوئی پیاسی اور فکر مند نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"بیٹا، ماما سے کہو کھانا کھالیں۔" سونیا نے اچانک اسے مخاطب کرلیا۔
"ماما کھانا کھالیں کا آپ کی طبیعت کھراب ہے۔" وہ اپنے معصوم، بھولے بھالے لہجے میں استفسار کر رہا تھا اور اس کے لہجے میں جانے کیا بات تھی کہ رابیل جس نے اسے پیار نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ اور اتنے دن سے اسے اپنے پاس پھٹکنے تک نہ دیا تھا۔ ایک دم بے قرار ہو گئی۔
اسے اپنے سینے سے بھینچ کر بلک بلک کر رو دی۔ سونیا کو بھی رونا آنے لگا، امی بھی روہانسی ہو گئیں۔ بیٹے کو سینے سے لگا کر ایک خلش سی مٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ابو کی کمی اور ان کی ناراضگی کا ملال اپنی جگہ، لیکن ولید نے اس کے دل کو جیسے ٹھہراؤ سا دیا تھا۔
ابو رابیل سے سخت ناراض تھے۔ انہوں نے اتنے دنوں میں ایک بار بھی رابیل کا نکتۂ نظر جاننے کی کوشش نہ کی تھی۔
تایا ابو کی آمد اور بات چیت نے بھی اسے کافی سہارا دیا تھا۔ تائی امی بھی ان کے ساتھ تھیں۔ اور بہت فکر مند تھیں۔ ان کا رویہ نہ بہت سرد تھا نہ بہت مشفق۔
رابیل سمجھ سکتی تھی۔ وہ ہر حال میں اپنے بیٹے کی حمایتی معلوم ہوتی تھیں۔ رابیل کو ان سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ بلکہ اسے شاید رافع کے سوا اور کسی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔
بھیگی پلکیں پونچھ کر اس نے بیٹے کو گود میں لٹالیا اور امی اور سونیا کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔ ان سے تمام باتیں کہتی چلی گئی۔
رافع کی لاپروائی، اس کی طرف سے بے فکری۔ ان کا سرد اور یگانہ رویہ اور پھر جس دن ولید گم ہوا۔ اس دن ان کی دھمکی۔
امی اور سونیا کو بہت غصہ آیا۔ امی تو اسی وقت، رافع سے بات کرنے جانے والی تھیں۔ لیکن اس نے سختی سے انہیں روک دیا۔ اس کے خیال میں، رافع کے لیے یہی بہت تھا جو وہ کر رہی تھی اور اس کا خیال واقعی صحیح تھا۔ رافع کے لیے رابیل کی یہ بات اور حرکت۔ ان کی توقع کے بالکل خلاف اور اس کی اپنی ہمت سے بہت بڑھ کر تھی۔
وہ تین دن سے آفس نہیں گئے تھے اور لاکھ ہمت باندھنے کے باوجود رابیل کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار نہیں کر سکے تھے۔ یہ ان کے دل کا چور تھا۔ جو بہت جرأت و ہمت سے باندھے گئے، ان کے تمام ارادوں کو چور چور کر کے رکھ دیتا، خاک میں ملا دیتا تھا۔ جواب طلبی کا خوف ان کے اعصاب پر سوار ہو گیا تھا اور وہ قطعاً" رابیل کی نیک دل، مہربان فطرت بھلا چکے تھے۔ جس سے مجبور ہو کر، اس نے ان سے کبھی گزرے کی ایک لمحے کی زیادتی کا جواب طلب نہ کیا تھا۔
بس ایک نافع تھا۔ جو اس کے پاس متواتر آتا رہا۔ لیکن گھر میں گردش کرنے والے اس گرما گرم موضوع پر کبھی کوئی بات نہیں کی کوئی وضاحت مانگی، نہ وجوہات طلب کیں۔ نہ کسی کو موردِ الزام ٹھہرایا۔ نہ عدالت سجائی نہ ہی کسی کو کٹہرے میں گھسیٹا۔ نہ خوف اللہ، نہ مار ضمیر کچھ نہیں، بس وہ تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھتا۔ اس دوران زیادہ تر ولید کے ساتھ کھیل میں لگا رہتا۔ پھر چلا جاتا۔ بہت سے بہت ارحم، ارقم یا ابو کی باہر دریافت کرلیتا۔
ایک بار وہ جھنجھلا کر بول پڑی۔
"تم کیوں روز روز میرے پاس آتے ہو نافع اور اگر

آتے ہی ہو تو وہ بات کیوں نہیں کرتے جسے کرنے کے لیے آتے ہو۔"
"میں کوئی بات کرنے نہیں آتا۔" نافع کے لہجے میں حیرت بول رہی تھی۔
"کیوں۔" وہ سخت ناراض دکھائی دیتی تھی اور نافع کے انجان بننے پر تو جیسے تپ گئی تھی۔
"کیوں کیا مطلب۔ میں کیوں کروں آپ سے کوئی بات۔ جنہیں کرنی چاہیے وہ تو آتے نہیں اور یہ تو آپ کی مرضی ہے۔ آپ نے چاہے اپنا سمجھیں جسے چاہے غیر۔"
"میں کسی کو غیر نہیں سمجھتی۔ سب کو اپنا ہی سمجھتی ہوں۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔
"تو پھر تم نے یہ انتہائی نوبت کیوں آنے دی۔" وہ بری طرح ڈپٹ کر بولا۔ رابیل کو بھابھی کہنے کی عادت اس نے مشکل سے ڈالی تھی اور مشکل سے ڈالی جانے والی عادتیں کتنی آسانی سے چھوٹ جاتی ہیں۔ "اگر تم سب کو اپنا سمجھتی ہی تھیں تو کسی سے کہہ کیوں نہیں الی اپنی پریشانی۔"
"کس سے کہتی نافع۔ سب کو اپنا سمجھتی تھی۔ اس لیے کسی کو وہ دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔ جس کی آگ میں میں پچھلے کئی سالوں سے جل رہی ہوں۔" وہ سسک اٹھی۔ نافع لاجواب ہو گیا۔
وہ تھوڑی دیر یونہی سسکیاں بھرتی رہی پھر اس نے اپنے سر پر نافع کے ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔ وہ ذرا دیر رک کر وہاں سے چلا گیا۔ رابیل نے سر اٹھایا، تو کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

سونیا اپنے گھر اور ارحم دوبئی لوٹ چکے تھے۔ اب گھر میں وقت بے وقت سناٹے بولا کرتے۔ سارا دن اس دو ہی تو افراد ہوتے تھے۔ امی اور وہ، ابو اور ارحم تو شام میں آتے تھے۔ یا پھر ایک وہ تھا۔ اس کا لختِ جگر اس کے وجود کا ٹکڑا۔ اپنی پیاری پیاری باتوں سے سب کا جی بہلائے رکھتا۔ نیلن جیسے ہی رافع کو سیڑھیاں چڑھتے دیکھتا۔
"بابا آگئے!" کا نعرہ لگاتا۔ ان کی گود میں چڑھ جاتا اور پھر جیسے نیچے آنے کا راستہ بھول جاتا۔
اس دن بھی یہی ہوا۔
رافع کے آنے کا وقت ہو رہا تھا۔ اسے یاد نہیں وہ کس کام کے لیے، ولید کے پیچھے گئی تھی۔ لیکن اس نے رابیل کو صحن میں، بھگا بھگا کر تھکا دیا اور جیسے ہی وہ اس کے ہتھے چڑھا۔ اس نے زور سے ایک تھپڑ اس کے نازک رخسار پر دے مارا۔
پہلے تو وہ بری طرح سہم گیا۔ پھر جو گلا پھاڑ کے رونا شروع کیا۔ تو پھر وہ چپ کراتے کراتے ہار گئی۔ لیکن ولید کی ضد پوری ہونے میں نہ آئی اور آخر میں جب وہ خود بھی روہانسی ہو گئی تھی۔ رافع اور نافع نے اکٹھا بیرونی دروازے سے صحن میں قدم رکھا۔
"ماما نے مارا ہے۔" ولید اپنے بابا اور چاچو کو سامنے دیکھ کر توتلی زبان میں جھٹ سے شکایت جڑنے لگا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو حسبِ عادت رافع، رابیل کی شامت بلوا چکے ہوتے۔ لیکن آج صورت حال مختلف تھی۔ نافع نے بڑھ کے ولید کو گود میں اٹھایا۔ اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔ اب صحن میں وہ دونوں ہی رہ گئے تھے۔ رافع ایک ٹک اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی پتھر کی سی ہو گئی تھی۔ اندر سے امی کی آواز آئی۔ پھر وہ خود بھی باہر آگئیں۔ انہیں صحن میں آتا دیکھ کر رابیل فوراً" اندر کی طرف مڑ گئی۔
باہر سے اب بھی آوازیں آرہی تھیں۔
امی نے بڑے سبھاؤ سے انہیں چائے پینے کے لیے روک لیا تھا۔ کہ بہر حال وہ اب بھی ان کا داماد تھا اور نہ بھی ہوتا تو کیا تھا۔ بھتیجے کا رشتہ تو اس کی پیدائش کے ساتھ ہی جڑ گیا تھا نا۔
یا شاید وہ خود بھی اس آنکھ مچولی سے تنگ آچکی تھیں۔ اس مسئلے کا تدارک چاہتی تھیں۔ شاید رافع کے بھی یہی ارادے تھے۔

وہ کمرے میں آکر کتنی ہی دیر رافع کو سوچتی رہی۔ آج اس نے کتنے دن کے بعد رافع کو دیکھا تھا۔ وہ کتنے کمزور لگ رہے تھے۔ ایک پل کو تو اس کا جی چاہا کہ وہ بھاگ کر جائے اور ان کے سینے سے جا لگے۔ پتا نہیں اتنے دن کی یہ دوری اس نے کیسے برداشت کی تھی اور ٹوٹ پھوٹ کا عمل تو رافع کے وجود سے بھی مترشح تھا۔

دروازہ کھلا۔ وہ چونک گئی۔

"وہ میں ناصر صاحب کے گھر میلاد میں جا رہی ہوں۔" امی کے انداز میں اطلاع تھی۔

"تمہاری تائی امی تو نہیں جائیں گی شاید اچھا دروازہ بند کر لو۔" امی نے رسماً بھی اسے نہیں پوچھا کہ وہ جانا چاہتی ہے یا نہیں۔ بلاوا تو یقیناً اس کا بھی ہوگا۔ اسے ہلکا سا دکھ ہوا۔

وہ رافع کے بارے میں بھی پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ اوپر چلے گئے یا نہیں۔ میرے بارے میں کچھ بات کی یا نہیں۔ لیکن امی کا رویہ بہت حوصلہ شکن تھا۔

بیرونی دروازہ بند کر کے وہ واپس اپنے کمرے میں پہنچی تو دھک سے رہ گئی۔ رافع کمرے کے وسط میں کھڑے تھے۔ اور اسی کی سمت دیکھ رہے تھے۔

وہ اندر داخل ہوتے ہی رخ موڑ گئی۔ اور اب اسے ڈر سا محسوس ہو رہا تھا۔ نیچے گھر میں اس کے اور رافع کے سوا کوئی نہیں تھا۔ ابو آفس سے واپسی پر کھانا کھا کر آرام کرتے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں تھے اور ارقم ابھی واپس ہی نہیں آیا تھا۔

"اگر یہ زبردستی مجھے گھسیٹتے ہوئے لے جائیں۔ تو میں کیا کر لوں گی۔"

الٹی سیدھی سوچیں جانے کب تک ذہن میں کلبلاتی رہتیں، لیکن ان کا سلسلہ رافع کی آواز نے منقطع کر دیا۔

"میں..... رالی میں تم سے معافی مانگنے اور تمہیں لے جانے کے لیے آیا ہوں۔"

وہ یونہی خاموش کھڑی رہی۔

"تم!..... مجھ سے کچھ کہو گی نہیں۔"

وہ کتنے دن سے 'ان لمحات کی منتظر تھی۔ ٹوٹے بکھرے لہجے، مضمحل وجود اور منتشر اعصاب کے ہمراہ رافع بالکل اس کی خواہش کے عین مطابق اس کے سامنے کھڑے تھے۔

اچانک وہ چونکی اور پھر اس کی 'اپنی کلائی میں کرنٹ سا دوڑ گیا۔ جو رافع کے ہاتھ کی گرفت میں آگئی تھی۔

"ہم یہاں بیٹھ کر بات نہیں کر سکتے۔" وہ نرد یکی کاؤچ کی سمت اشارہ کر رہے تھے۔

وہ مڑی اور چاپ چاپ نزدیکی جگہ بیٹھ گئی۔ رافع نے اس کی کلائی چھوڑ دی تھی۔ کچھ دیر خاموشی ہی ان کے درمیان بولتی رہی۔ پھر بالآخر رافع کو ہی زبان کھولنی پڑی۔ اس نے تو زبان بندی کی قسم کھالی تھی گویا۔

"میں جانتا ہوں یہ 'طلاق ولاق کی ضد' محض تمہاری ناراضگی کا ہی ایک انداز ہے اور کچھ نہیں تم دل سے تو ایسا نہیں چاہتیں نا کہ تم مجھ سے الگ ہو جاؤ۔"

"دل سے تو میں کیا کچھ چاہتی تھی اور کیا کچھ نہیں چاہتی تھی رافع سکندر آپ نے بھلا لحاظ ہی کب کیا۔" وہ دل ہی دل میں شکوہ کناں تھی۔

"رابیل۔" کمرے کی گمبھیر فضا میں ان کی آواز گونجی۔ رابیل نے فقط نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا اور پل بھر میں نگاہیں جھکا لیں کتنے دن کے بعد 'ان ہونٹوں سے اپنا مکمل نام سنا تھا اس نے۔

"کچھ بات نہیں کرو گی۔ اچھا مجھے معاف ہی کر دو۔ بے شک تم یہیں رہتی رہو۔ جب تک تمہاری مرضی ہو۔ جب تک تم چاہو۔" انہوں نے ایک ثانیے رک کر اسے دیکھا۔

"میں جانتا ہوں۔ تم سوچ رہی ہو گی کہ بگاڑ کی کس انتہا پر جا کر مجھے تمہاری مرضی اور خوشی کا خیال آیا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ میں تو ہمیشہ سے چاہتا رہا ہوں کہ تمہاری خوشی کو مقدم جانوں۔ ہاں لیکن میں ایسا کر نہیں سکا۔ آئی ایم سوری رابیل لیکن کچھ تو کہو۔"

وہ سر جھکائے چپ چاپ 'رافع کا بے بسی کا غماز لہجہ سن رہی تھی۔ وہ کچھ لمحے اسے دیکھتے رہے۔

"تم کچھ نہیں کہو گی۔" وہ کشن کے ڈیزائن پر انگلی پھیرتی رہی۔

"میرے ساتھ نہیں چلو گی۔" رابیل خاموش تھی۔

"مجھے معاف نہیں کرو گی۔" اسے دھوکا سا ہوا کہ ان کا لہجہ آخر میں کچھ بھرا سا گیا ہے۔ انہوں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"میں ہمیشہ تمہارے بغیر اپنے آپ کو ادھورا محسوس کرتا رہوں گا۔ یہی حقیقت ہے 'یہی سچائی ہے۔ جسے ماننے میں مجھے ہمیشہ تامل رہا۔ لیکن آج میں پورے کھلے دل سے تمہارے سامنے اعتراف کر رہا ہوں رابیل کہ رافع سکندر تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں۔"

وہ ایک گہری سانس بھر کر کھڑے ہو گئے۔ پھر پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بولے۔

"پتا نہیں تم کیا محسوس کرتی ہو۔ لیکن پلیز مجھے معاف کرنے میں زیادہ دن نہیں لگانا۔ اچھا!..... پھر میں چلتا ہوں۔" وہ سامنے کی طرف دیوار کو گھور رہے تھے۔

انہوں نے دیوار سے نظریں ہٹا کے رابیل کو دیکھا اور جیسے ساکت ہو گئے۔ وہ ان ہی کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھرے 'لرزاں کانپتے ہونٹ اور کچھ کہتا ہوا چہرہ۔ رافع نے میکانکی انداز میں پینٹ کی جیبوں سے ہاتھ نکال کر اپنی باہیں پھیلا دیں۔

اور وہ اتنے دن سے جیسے اسی بلاوے کی منتظر تھی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں تڑپ کر اٹھی اور ان کی کھلی باہوں میں سما گئی۔ وقت جیسے ٹھہر سا گیا۔

وہ کتنا وقت سسک سسک کر روتی رہی اور رافع اسے چپ کراتے رہے۔ انہیں خود بھی اپنے جذبات پر قابو نہیں رہا تھا۔ ان کی اپنی آنکھیں بھی نم ہو رہی تھیں۔

تجدید وفا کا یہ بہت گداز اور انوکھا تجربہ تھا ان کے لیے۔ رابیل کے آنسو بہت دیر تک ان کا گریبان بھگوتے رہے اور سینے سے سیدھا دل میں اترتے رہے۔

جانے کتنا وقت گزرا تھا۔ اس نے سر اٹھا کے رافع کی طرف دیکھا اور جھک کر دور ہٹ گئی۔ رافع کے چہرے پر بہت دلاویز مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"آئندہ کبھی مجھے اس طرح اکیلا مت کیجیے گا۔ ورنہ میرے اعصاب جواب دے جائیں گے میں، میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"تم بھی مجھ سے وعدہ کرو۔ آئندہ کبھی مجھے چھوڑنے کی بات نہیں کرو گی۔ ورنہ میں..... مر جاؤں گا۔"

"مرنے کی بات کیوں کرتے ہیں اور مجھے چھوڑنے کی بات بھی تو آپ ہی نے کی تھی۔"

"اور اب اتنے دنوں سے لے جانے کی جو بات کر رہا ہوں۔ تم مان کر نہیں دیتیں۔" انہوں نے ذرا کی ذرا رک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ سرخ نم آنکھوں کے ساتھ چہرے پہ سجی مسکراہٹ کیسا بھلا منظر پیش کر رہی تھی۔

"سچ کہتا ہوں رالی! تم ایک بار میرے ساتھ چلو۔ میں بھول جاؤں گا کہ جدائی کے یہ منحوس لمحے کبھی ہمارے بیچ آئے تھے۔ میں ان خراب دنوں کی یادوں کو کبھی اپنے ذہن میں نہیں دہراؤں گا۔ جیسے زندگی میں یہ دن کبھی آئے ہی نہیں۔ بس تم ہمیشہ سے میرے ساتھ تھیں۔ ہو اور رہو گی ہمیشہ۔"

رابیل نے آنکھیں موند کر ان کے ہونٹوں سے نکلنے والے ایک ایک لفظ کو اپنے دل پر پھوار کی صورت برستے ہوئے محسوس کیا۔

"پھر چلیں۔" کہتی ہوئی آگے بڑھی۔ رافع نے باہر نکلنے سے پہلے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ کبھی نہ چھوڑنے کے لیے۔

☆ ☆